Fikr-o-Nasar (Islamabad) 2:7 (1965)

اردو کا اسلامی ادب

ڈاکٹر فضل الرحمن

[یہ خطبہ صدارت پاکستان اردو اکادمی ' کراچی کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۷ نومبر ۱۹۶۴ء میں پڑھا گیا -]

مسلمانوں کی ابتدائی فتوحات کے ساتھ جب جزیرہ عرب سے باھر اسلام پھیلا تو اس کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ عربی زبان بھی اس کے ساتھ ساتھ پھیلی - قرآن تو عربی میں تھا ھی - شروع میں اسلام کے تمام اساسی علوم بھی عربی ھی میں مدون ھوئے- پہلی ڈیڑھ دو صدیوں کے اندر اندر عربوں نے، جن کے پاس کچھ اشعار اور خطبوں کو چھوڑکر اپنی کوئی علمی روایات نہ تھیں اور جن کی فکری سطح بھی برائے نام ھی تھی ' قرآن کریم کی برکت سے عربی میں دینی علوم' تاریخ' آثار اور فقہ جیسے فنون مدون کرڈالے - فقہ خالص عقلی اور ذھنی اعتبار سے انسانیت کے مہتم بالشان کارناموں میں سے ھے- پھر اگلی ڈیڑھ صدی میں عربوں کے ھاں خالص فکر نے اتنی سرعت سے ترقی کی کہ ایک طرف فارابی' ابن سینا اور ابن رشد جیسےمفکر اور فلسفی پیدا ھونے شروع ھوگئے- اور دوسری طرف اس فکر خالص کے دھارےکے عمل اور رد عمل سے دینی افکار متاثر ھوئے - اوراس طرح مسلمانوں کا علم کلام معرض وجود میں آیا - علم کلام فکر کے میدان میں اھل دین کا ایک بہت بڑا کارنامہ ھے یہ سب کچھ کوئی تین صدیوں کے اندر اندر ھوا -

اس دور کے بعد بھی اگرچہ عربی ھی عالم اسلامی کی مرکزی دینی اور علمی زبان رھی' لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس دوران میں مسلمان ملکوں میں اور زبانوں نے بھی اپنے ادب کی تخلیق شروع کردی - سب سے پہلے فارسی نے اپنے آپ کو ادب کا ذریعہ اظہار بناکر ایران کی ثقافتی خود اختیاری کا گویا رسمی اعلان کیا - اس کے بعد ترکی نے بھی یہی کیا - اس ضمن میں ان دونوں زبانوں نے عربی الفاظ کو آزادانہ طور پر اپنے اندر سمویا اور اس طرح ان

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

تینوں میں ایک گونہ مماثلت رہی - ان صدیوں میں علمی اور دینی زبان اساساً عربی ہی تھی - اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی اردو زبان کی نشو و نما ہے - اردو نہ صرف عربی اور فارسی سے بہت متاثر ہے بلکہ یہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے ثقافتی ماحول میں پروان چڑھی - اس لئے ان خاص معنوں میں یہ ایک ''اسلامی'' زبان ہے - تقریباً یہی عمل ہمیں مشرقی پاکستان میں بنگالی زبان پر ہوتا نظر آتا ہے - اور یہ ہے بھی ناگزیر، کیونکہ اگر ہمیں پاکستان کی ثقافتی وحدت کو کسی قابل لحاظ معنی میں قائم کرنا ہے تو بنگالی زبان کا اسلامی ثقافت سے روز افزوں تاثر قدرتی ہے - شاید یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ مشرقی افریقہ میں سواحلی زبان بھی اسی اسلوب پر ترقی کرتی نظر آتی ہے - ہم یہاں اجمالی طور پر اردو میں اسلامی ادب کے ارتقاء پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں - اور اس سلسلے میں کچھ گزارشات کریں گے-

اردو کا ابتدائی ادب اساسی طور پر شاعری تک محدود ہے - اس میں غزل قصیدے، مرثیے، سب کچھ پایا جاتا ہے - اس ضمن میں یہ کہنا بےجا نہ ہوگا کہ یہ ادب، اردو کے قالب میں فارسی شاعری کا پورا عکس ہے - اس کے علاوہ اس میں فارسی شاعری کی طرح دینی رنگ بھی پایا جاتا ہے، کچھ تو خالص دینی موضوعات کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ بہت سے معیاری استعارات اور تشبیہات وغیرہ کا ماخذ دینی تصورات ہیں اور بسا اوقات ان کو متصوفانہ رنگ میں پیش کیا جاتا ہے، جو کہ ایرانی اسلامی ثقافت کا خصوصی امتیاز ہے- تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ محض شاعری کی زبان پوری طرح دینی موضوعات کا ذریعہ اظہار نہیں بن سکتی، کیونکہ دین کے بعض اہم فکری اور علمی تقاضے ہیں، جو خاص طور پر ترقی یافتہ نثر کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ محض احساسات کی زبان اور منتشر خیالات کی زبان میں پورے نہیں ہوسکتے- یہ علمی اور فکری تقاضے ایک تو ایسی زبان چاہتے ہیں، جو منظم افکار کا ذریعہ اظہار بن سکے اور دوسرے یہ تقاضے اس قسم کے ہیں جو نہ صرف خیالات کی تنظیم و ترتیب چاہتے ہیں - بلکہ خیالات کی تجرید بھی - ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جن کے بغیر نہ تو درحقیقت کوئی ثقافت اعلیٰ بلندیوں تک پہنچ سکتی ہے اور نہ فکر خالص ہی کی متحمل ہوسکتی ہے، چہ جائیکہ وہ اس کی تخلیق

کرے، زبان کو ایک بالکل دوسری سطح پر لانا ضروری ہوتا ہے -

خوش قسمتی سے اردو میں دینی اور تاریخی نثر جلد ہی شروع ہوگئی تھی - قرآن کریم کا اردو ترجمہ پہلی بار شاہ ولی اللہ دہلوی کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے کیا - اور اسی زمانے میں اردو میں یقیناً مواعظ وغیرہ بھی آنے لگے -

انیسویں صدی اور بالخصوص اس کے نصف آخر میں اردو ادب نے اپنے ارتقا کے بنیادی مرحلے طے کرلئے لیکن اردو منظم فکر کا ذریعہ اظہار صحیح معنوں میں اس وقت بنی، جب سر سید احمد خان اور ان کے ساتھیوں نے اس سے ایک دینی علمی تحریک کی خدمت کا کام لینا شروع کیا - سر سید اور حالی نے اردو زبان کو سلاست بخشی اور شوکت الفاظ پر زور دینے کے بجائے اسے معانی کے اظہار کا ذریعہ بنایا- اور اس میں بلند، لطیف اور پیچیدہ خیالات پیش کئے- سر سید نے قرآن کریم کی تفسیر لکھی اور مولانا نذیر احمد نے قرآن مجید کا با محاورہ اردو میں ترجمہ کیا- لیکن شبلی وہ بزرگ ہیں جن کے قلم گوہر بار نے واقعی اردو کا دامن موتیوں سے بھر دیا - شبلی اسلامی تاریخ اور ادب فارسی پر کامل عبور رکھتے تھے - اسلامی علم کلام کے صحیح ارتقاء کی روشنی میں انہوں نے ایک جدید علم کلام (جو کوئی جدلی چیز نہیں بلکہ اثباتی طور پر اسلامی عقائد کی صداقتوں کے عقلی انداز میں بیان کا دوسرا نام ہے) کی بنیاد ڈالنے کی کوشش بھی کی لیکن افسوس کہ اس سلسلے میں سر سید احمد خان اور شبلی کی کوششیں بہت حد تک ان کے ساتھ ہی ختم ہوگئیں اور ان کے بعد سوائے اقبال کے اسلام کو عقلی انداز میں پیش کرنے والے کسی نمائندہ مفکر کی مثال نہیں ملتی - لیکن شبلی اور ان کے تابعین (ندوہ میں اور غیر ندوہ میں) کا کام بنیادی طور پر تاریخ اسلام ہی کے میدان تک محدود رہا - بے شک ان حضرات نے سیر اور سوانح (Biographies) کے باب میں بالخصوص بیش بہا کام کیا ہے- شبلی کی سیرت النبیؐ اور سوانح و سیر میں ان کی دوسری تصنیفات اردو ادب میں کلاسیکی حیثیت حاصل کرچکی ہیں -

تاریخ اسلام کے موضوع پر اردو کے بیشتر ادبی کارناموں کے باوجود یہ ماننا پڑے گا کہ تاریخ صرف سوانح و سیر کا نام نہیں ہے اور نہ صرف واقعات کا

بیان کردینا ھی تاریخ ھے - بلکہ تاریخ عبارت ھے ایک قوم یا امت کے عروج اور انحطاط کی منظم اور معقول شرح و بیان سے - یہاں ''معقول'' سے مراد یہ ھے کہ ظاھری واقعات کے پس پشت جنھیں ھمارے مورخ بیان کرتے ھیں جو دینی، سماجی اور اقتصادی قوتیں ایک معاشرے میں کارفرما ھوتی ھیں ان کے آپس میں عمل اور تعامل کا پورا جائزہ لیا جائے- یہ تعریف جسے بالعموم علم تاریخ کی ''جدید'' تعریف کہا جاتا ھے، خود مسلمانوں کے ذھن کی تخلیق ھے اور ابن خلدون اس کا بانی ھے، لیکن اگر ھم تاریخ کو اس نظر سے دیکھیں تو بڑے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ھے کہ اردو میں آج تک اس نقطہ نظر کا ایک بھی قابل ذکر مورخ پیدا نہیں ھوا - اور جیسا کہ ھم ابھی دیکھیں گے، حقیقت یہ ھے کہ جب تک فکر میں تجرید کی خصوصیت پیدا نہ ھو، یعنی وہ انسانی محسوسات کی سطح سے اوپر معانی کی سطح پر غور و خوض کرنے کی صلاحیت نہ رکھے، اور اس میں زبان اس کا ساتھ نہ دے تو صحیح معنوں میں ایسی تاریخ لکھی نہیں جاسکتی -

اس تمام عرصے میں تصنیفات کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں دیگر زبانوں سے ترجمے کا سلسلہ بھی برابر جاری رھا اور قدیم اور جدید علوم کی کتابیں اردو میں منتقل ھو کر اس کے ادب کی ثروت میں اضافہ کرتی رھیں - واقعہ یہ ھے کہ ایک زبان کی نشو و نما اور ترقی میں ترجمہ کے عمل کو بنیادی اھمیت حاصل ھے - اس ضمن میں حیدرآباد دکن میں اردو کی بڑی ھی خدمت ھوئی اور وھاں تمام جدید علوم کی کتابیں اردو میں منتقل کی گئیں - ترجمے کے پیہم عمل سے اردو میں جدید طرز کی لغات لکھنے کا رستہ بھی ھموار ھوا - اور اس سلسلے میں مولانا عبدالحق مرحوم کی کوششیں بڑی کامیاب رھیں - پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد ترجموں میں اور بھی معتدبہ اضافہ ھوا لیکن یہاں یہ کہنا بے جا نہ ھوگا کہ جدید علوم سے ترجمے کا کام ابھی کافی حد تک تشنۂ تکمیل ھے اور بالخصوص فکر خالص کی سطح پر تو یہ کام تقریباً مفقود ھے - اگرچہ ھمیں اس بات کو نہیں بھولنا چاھیئے کہ زبان کی تخلیق کا کام کوئی ایسا کام نہیں جو صرف ایک دو نسلوں میں انجام پاجائے اور جیسا کہ ھم نے ابتدا میں کہا ھے، عربی زبان کو فکر خالص میں تخلیقی عمل تک

پہنچنے کے لئے کوئی تین صدیاں لگ گئی تھیں ۔ تاهم یه بتادینا هم ضروری سمجھتے هیں که کوئی زبان اس وقت تک اعلیٰ ثقافت کی ترجمان نہیں بن سکتی جب تک که اس میں فکر خالص کی تخلیق اور اظہار کی قوت نه هو۔

جب عربوں نے یونان کے ذخیرۂ علم کو عربی میں منتقل کرنا شروع کیا تو انہوں نے روز اول هی سے نه صرف سائنسی اور فنی علوم مثلاً طب ، ریاضی اور هندسه وغیرہ کی طرف توجه کی بلکه یونانیوں کے فکر خالص کے نتائج یعنی ارسطو اور افلاطون کے فلسفه کو بھی عربی میں منتقل کرنے کی بنیاد رکھی ۔ اسی طرح جب لاطینی مغرب نے مسلمانوں کے علوم کو اخذ کیا تو اس نے طب اور دیگر طبعی علوم کے علاوہ مسلمانوں کے فکر خالص کو بھی ابتدا هی سے لاطینی میں منتقل کرنا شروع کیا بلکه ابن سینا کے فلسفے کا ترجمه اس کی طبی علوم پر مشتمل کتاب ” قانون “ سے پہلے کیا گیا ۔ ابن سینا کے علم النفس کا ترجمه سنه ۱۱۵۰ء میں ” تولیدو “ (سپین) میں هوا تھا ۔ انہی تراجم کی بنیاد پر یورپ کی نشاۃ ثانیه (Renaissance) وجود میں آئی۔ اسی طرح جب یورپ کی جدید زبانیں ترقی کرنے لگیں تو ان میں عام علم اور فکر خالص کے ترجمے اور تخلیق پر جتنا زور دیا گیا وہ آپ کو معلوم هی هے ۔

انسانی فکر یا فکر خالص کی کچھ بنیادی خصوصیات کا ذکر تو هم اوپر کر آئے هیں ۔ یعنی یه فکر ایک منظم چیز هے ۔ یه منتشر تصورات اور خیالات کا نام نہیں ۔ بے شک همارے شعری ورثے میں مثال کے طور پر بسا اوقات نہایت گہرے خیالات اور انمول تصورات ملتے هیں، لیکن چونکه یه منظم نہیں هوتے، اس لئے یه فکر کی تعریف میں نہیں آتے۔ فکر کی دوسری بڑی خصوصیت یه هے که یه ایک رواں اور سیال دھارا هوتا هے جو همیشه نئے تصورات کی تخلیق کرتا هے ۔ اس سے دو باتیں ثابت هوئیں ۔ ایک تو یه که فکر اگرچه علم پر تمام تر مبنی هوتا هے لیکن یه علم سے جدا بھی هے ۔ کیونکه علم نام هے دوسروں کے ذهنوں کے پیدا کردہ افکار اور نتائج کے مجموعے کا ، جسے هم کتابوں وغیرہ سے حاصل کرسکتے هیں ۔ اس کے برعکس فکر ایک تخلیقی اور سیال رو هے جو آگے کی طرف بہتی هے اور علم کی تخلیق کرتی هے ۔ هم جتنا بھی علم پڑھ لیں، وہ فکر کا بدل نہیں هوسکتا ۔ اس لئے قرآن حکیم همیں

علم اور فکر دونوں کی دعوت دیتا ہے ۔ اس ضمن میں دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ فکر علم کا نام نہیں اس لئے فکر محض اصطلاحات سے عبارت نہیں ہوتا یقیناً اصطلاحات کے ترجمے فنون کے لئے از بس ضروری ہیں ۔ لیکن جہاں تک فکری ارتقاء کا تعلق ہے، اس میں ان کی معاونت بہت محدود ہے ۔ ''اصطلاح'' ایک منجمد تصور کو کہتے ہیں، بلکہ اصطلاحات ایک قسم کے نام ہیں تصورات کے۔ مثلاً ایک شخص کا نام '' زید '' رکھ دیا جائے ' تقریباً اسی طرح ایک تصور کا نام اس کی اصطلاحی شکل ہوتی ہے۔ لیکن ایک اصطلاح سے اس تصور کی جامد شخصیت کا تو پتہ چل جاتا ہے اور اس کی شناخت بھی ہوسکتی ہے لیکن اس سے اس کے زندہ کردار کا پتہ نہیں چلتا جس طرح کہ اس کے حقیقی استعمال اور سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے ۔ فکر خالص کو ترقی دینے کے لئے اصطلاحات سے کہیں زیادہ ضروری ہے کہ فکر خالص کی کوششوں کی زبان و ادب میں ترجمانی ہو اور یہ ترجمانی ایسی ہو جس سے اس کی اصلی فکری زندگی اجاگر ہوسکے ۔

فکر خالص کی جو خصوصیت ہم نے اوپر بیان کی ہے کہ وہ ایک رواں اور سیال دھارے کا نام ہے وہ اس کے بغیر کبھی بروئے کار نہیں آسکتی کہ اس کی یہ حیاتیاتی (Organic) خصوصیت ترجموں میں بھی موجود ہو اور تخلیقی کاموں میں بھی ۔

دور حاضر کے سب سے بڑے اسلامی مفکر علامہ اقبال ہیں ۔ لیکن علامہ اقبال نے اپنے منظم اور خالص فکر کے لئے اردو کو نہیں بلکہ انگریزی زبان کو اپنا ذریعہ اظہار بنایا ہے ان کے نتائج فکر و ذہن کا سب سے زیادہ مؤثر اور تاریخ آفرین پہلو ان کی شاعری ہے ۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں ' شعر کو فکر خالص کے لئے کبھی واضح ذریعہ نہیں بنایا جاسکتا ۔ اس لئے ان کے منظم اور حیاتیاتی (Organic) فکر کی جلیل القدر کتاب انگریزی میں ہے (اگرچہ وہ اب اردو میں ترجمہ ہو چکی ہے) لیکن آج ضرورت اس بات کی ہے کہ فکر خالص کی زبان اردو کو بنایا جائے ۔ اور اس میں تخلیقی تصنیفات ہوں ۔

آپ سوال کریں گے کہ زیر بحث موضوع تو تھا '' اردو کا اسلامی ادب ''

لیکن ہم نے اس کا تھوڑا سا تاریخی خاکہ بیان کرنے کے بعد فکر خالص اور اس کے اردو میں براہ راست ضرورت اظہار کی بحث کیوں چھیڑ دی ۔ اس کا جواب اب میں آخر میں عرض کرتا ہوں ۔ حقیقت یہ ھے کہ جب تک اردو میں فکر خالص کی ترقی نہیں ہوتی اور اردو اپنے اندر اس کے اظہار کی اہلیت پیدا نہیں کرلیتی، نیز فکر خالص کے نتائج جب تک اردو کے قالب میں نہیں منتقل ہوتے، اس وقت تک اردو میں اعلیٰ فکر صحیح معنوں میں اسلامی بنیاد پر ترقی نہیں کرسکتا - دینی فکر کے صحیح اور معنے خیز ارتقا کے لئے ضروری ھے کہ عام علم اور فکر خالص دونوں ترقی کریں - جب دین اور علم و فکر کا آپس میں آمنا سامنا ہوتا ھے تو صرف اسی صورت میں وہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہوسکتے ہیں اور دینی فکر کا تخلیقی عمل اعلیٰ پیمانہ پر شروع ہوسکتا ھے -

ہم ابتداً میں بیان کرچکے ہیں کہ علم و فکر کی جو تحریک اسلام کی ابتدائی صدیوں مین پھلی پھولی اس کے دوش بدوش اور اس کے اور دینی فکر کے باھمی عمل و تعامل کے بعد ھی دینی فکر نے ترقی کی اور اس کے نتیجے میں علم کلام یا اسلامی فکر وجود میں آیا اور ان میں سے بعض کے عقائد سے قطع نظر واصل بن عطا، نظام، ابن حزم، غزالی اور رازی جیسی شخصیتیں پیدا ہوئیں -

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، دنیا کی ہر ایک قوم کو اس دور سے گذرنا پڑا ھے لیکن اس میں وہی قوم عروج پر پہنچی ھے، اسی قوم نے سر بلندی حاصل کی ھے، اور اسی قوم کا علمی سکہ دنیا میں چلا ھے، جس نے علوم و فنون سے اپنے دامن کو بھرا اور فکری سطح پر وہ اتنی بلندی پر پہنچی کہ دنیا کی ہر قوم اس کے افکار کو ماننے پر مجبور ہوگئی -

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ